بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قانون ناموس رسالت اور پروفیسر خالد ظہیر کی ہرزہ سرائی

اس تحریر میں ناموس رسالت اور اس کے چند متعلقات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل سے دعا ہے کہ حق بات کہنے، حق تسلیم کرنے اور ہمیشہ حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے حضور یہ بھی التجا ہے کہ اپنے تمام انبیاء کرام علیہم السلام، بالخصوص سیدالانبیاء، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، احمد مجتبیٰ، جنابِ محمد مصطفی ﷺ کی بارگاہ کا ادب، محبت اور حضور نبی کریم ﷺ کی کامل اطاعت نصیب فرمائے۔ ہم اللہ تعالیٰ عزوجل کی پناہ چاہتے ہیں اس بات سے کہ کسی بھی نبی یا رسول کی ادنی ترین گستاخی کا خیال یا تصور ہمارے دل کے قریب بھی گزرے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل ہمیں انبیاء کرام علیہم السلام کا ادب کرنے والوں کی محبت اور ان کی تنقیص کرنے والوں سے نفرت عطا فرمائے، کہ اصل ضابطہ محبت ونفرت کا یہی ہے۔ آمین یارب العالمین۔

باب اول

ناموس رسالت کے تقاضوں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے حضور نبی کریم ﷺ کے مقام ومرتبہ سے آگاہی حاصل کی جائے، کیونکہ جو شخص آپ ﷺ کے مقام اور منصب کو جانتا ہی نہیں، وہ عزت و ناموس کی نزاکتوں کو کیونکر سمجھ پائے گا۔ اس ضمن میں قرآن پاک کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں جن میں اللہ تعالیٰ عزوجل نے حضور سیدالانبیاء ﷺ کی شان ومنزلت کا ذکر فرمایا اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا۔

اختصار کے پیش نظر یہاں صرف چند ایک آیات ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے، حالانکہ ان آیات کی تعداد حقیقت میں بہت زیادہ ہے جن میں آپ ﷺ کی توصیف قرآن بیان کرتا ہے، حتیٰ کہ بعض علماء نے تو یہاں تک فرمایا کہ قرآن پاک الحمد کی الف سے والناس کی س تک تمام کا تمام مدحت وعظمتِ رسول ﷺ کا بیان ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

اور بے شک تمہاری خُوبُو بڑی شان کی ہے۔ (القلم: ۴)

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کردیا۔ (الم نشرح: ۴)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔ (الحج: ۱۰۷)

اے محبوب ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔ (الکوثر: ۱ تا ۳)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (النساء: ۶۵)

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے اُن میں بارہ سردار قائم کئے اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو تو بے شک میں تمہارے گناہ اُتاردوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا۔ (المائدہ: ۱۲)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تمہیں اسی کی طرف اٹھنا ہے۔ (الانفال: ۲۴)

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں اُن پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اُترا وہی بامراد ہوئے۔ (الاعراف: ۱۵۷)

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ نہ یہ کہ بیٹھے

باتوں میں دل بہلاؤ بیشک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو بیشک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔(الاحزاب: ۵۳)

تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔(الفتح: ۹)

اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔(الاحزاب: ۳۶)

دیکھئے قرآن کس طرح سرکارِ دو عالم ﷺ کے مقام و مرتبہ کو بیان کرتا ہے اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا حکم دیتا ہے۔ قرآن پاک کی شان یہ ہے کہ فقط ایک آیت کریمہ میں اگر کسی عمل کا طلبِ جازم کے ساتھ تقاضا کرے تو وہ عمل مومنوں پر فرض ہو جاتا ہے، تو جس ذات کی تعریف و توصیف بار بار کرے، اس کی عظمتوں اور رفعتوں کا کیا ٹھکانہ ہوگا اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کس قدر ضروری ہوگی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ محبتِ رسول ﷺ کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ جس طرح پھول بغیر خوشبو کے بیکار ہے، جو دیکھنے میں تو شاید دلکش محسوس ہو، مگر اپنی حقیقی صفت سے محرومی کے باعث بے وقعت ہوتا ہے، اسی طرح محبتِ رسول ﷺ سے محروم ایک شخص نام کا مسلمان تو کہلا سکتا ہے لیکن حقیقتاً وہ ایمان سے محروم ہے، کیونکہ محبتِ رسول ﷺ ہی اصلِ ایمان ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عز و جل پر ایمان اس وقت تک قائم ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس ہستی پر ایمان نہ ہو جس نے اللہ تعالیٰ کی خبر دی، اور محبت کے بغیر ایمان نفس کے دھوکے سے زیادہ کچھ نہیں۔ خود سرورِ عالم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل، اس کے مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔(صحیح مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی، وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا۔

(۱) اللہ اور اس کا رسول اس کو باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں

(۲) جس شخص سے بھی اس کو محبت ہو وہ محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہو

(۳) کفر سے نجات پانے کے بعد وہ دوبارہ کفر میں لوٹنے کو اس طرح ناپسند کرتا ہو جیسے آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔(صحیح مسلم)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ بیشک میرے نزدیک آپ ﷺ سوائے اس اپنی جان کے، جو دو پہلوؤں کے درمیان ہے، ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے۔ اس وقت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا، یقیناً آپ ﷺ میری اس جان سے بھی، جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے، زیادہ محبوب ہیں۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! اب تم (کامل) ایماندار ہو گئے۔(صحیح بخاری)

ان احادیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ یہاں نہ فقط محبت، بلکہ ایسی محبت درکار ہے جو باقی تمام محبتوں پر غالب ہو، اور جب تک یہ کیفیت نہ ہو، ایمان کامل نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ عز و جل نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی محبت کو ایک ساتھ جمع فرمایا اور ماسوا پر ان کی فوقیت کا حکم دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محبت و اطاعتِ نبوی کے اعلیٰ ترین منصب پر وہی حضرات فائز ہیں جنہوں نے جمالِ جہاں آرا کا ظاہری حیاتِ طیبہ میں سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور آپ ﷺ کی صحبت کی دولت سے سرفراز ہوئے، اور اسی بنا پر اصحابِ رسول کے مرتبہ عالیہ پر فائز ہوئے، حتیٰ کہ ان میں آپس کے لحاظ سے جو سب سے ادنیٰ ہے، امت کے تمام غوث اور قطب مل کر بھی اس کے درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہ وہی حضرات ہیں جن کے عشق و ادب کے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ چند احادیث ملاحظہ کیجئے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا، اور نہ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی میری نگاہ میں بزرگ تھا اور آپ ﷺ کے جلال کی وجہ سے میں نگاہ بھر کر آپ ﷺ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اور اگر مجھ سے یہ سوال کیا جاتا کہ میں آپ ﷺ کا حلیہ بیان کروں تو میں نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب مہاجرین اور انصار کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہوتے تھے، پس حضرت صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا کوئی آپ ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا، وہ دونوں آپ ﷺ کی طرف دیکھتے تھے اور آپ ﷺ ان کی طرف دیکھتے تھے اور وہ آپ ﷺ کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور آپ ﷺ ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے۔(سنن ترمذی)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے گرد اس طرح (باادب) بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں۔(سنن ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے لوگ میرے بعد ہوں گے، ان کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش ان کے تمام اہل اور مال کو لے لیا

جائے اوراس کے بدلے ان کو میری زیارت حاصل ہوجائے۔(صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حجام رسول اللہ ﷺ کا سر مونڈ رہا تھا،اور صحابہ کرام نے آپ ﷺ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور جب بھی آپ ﷺ کا کوئی بال مبارک گرتا تو وہ کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں ہوتا۔(صحیح مسلم)

صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ نے کنکھیوں سے نبی کریم ﷺ کو دیکھا،اس نے کہا خدا عزوجل کی قسم،رسول اللہ ﷺ جب بھی تھوکتے تھے تو صحابہ میں سے کوئی نہ کوئی آپ ﷺ کے لعاب کو اپنے ہاتھوں پر لے لیتا اور اس کو چہرے اور جسم پر ملتا،اور جب آپ ﷺ انہیں کسی چیز کا حکم دیتے تو اس پر عمل کرنے کے لیے سب جھپٹ پڑتے،اور جب آپ ﷺ وضو کرتے تو آپ ﷺ کے جسم سے لگ کر گرنے والے پانی کو لینے کے لیے وہ ٹوٹ پڑتے اور یوں لگتا تھا کہ اس پانی کو حاصل کرنے کے لیے وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے،جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو وہ سب خاموش ہوجاتے اور تعظیم کی وجہ سے آپ ﷺ کی طرف نظر نہیں اٹھاتے تھے۔جب عروہ اپنے ساتھیوں (کفار مکہ) کی طرف لوٹا تو اس نے کہا،خدا کی قسم میں بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں،میں قیصر،کسریٰ اور نجاشی کے ہاں گیا ہوں،خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اس بادشاہ کی اس قدر تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس طرح محمد (ﷺ) کے اصحاب کو محمد (ﷺ) کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(صحیح بخاری)

واقعہ حدیبیہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں مشرکین کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تو قریش نے حضرت عثمان سے کہا کہ تم کعبہ کا طواف کرلو،تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کروں گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کا طواف نہ کرلیں۔(دلائل النبوت)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔(النساء:۲۹)

لیکن ذرا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل دیکھئے:

غار کی رات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ پہلے مجھے داخل ہونے دیجئے،حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غار میں داخل ہوئے اور غار کی دیواروں میں ہاتھ لگا کر دیکھتے رہے اور جہاں سوراخ دیکھتے اپنی قمیض پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کر دیتے حتیٰ کہ ان کی پوری قمیض پھٹ گئی اور ایک سوراخ رہ گیا اور اس پر انہوں نے اپنی ایڑی رکھ دی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمائیں،سانپ اور بچھو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈنک مارتے رہے لیکن انہوں نے بالکل جنبش نہیں کی،مبادا حضور ﷺ بیدار ہوجائیں،لیکن ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور جب یہ آنسو حضور ﷺ کے چہرے پر گرے تو آپ ﷺ بیدار ہو گئے اور فرمایا اے ابوبکر! غم نہ کرو اللہ عزوجل ہمارے ساتھ ہے۔(مدارج النبوت)

اور اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے:نگہبانی کرو سب نمازوں اور بیچ کی نماز کی۔(البقرہ:۲۳۸)

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ عصر کی نماز کی پابندی کا حکم فرمایا ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی نیند کی خاطر عصر کی نماز قضا کر دی۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی جا رہی تھی اور آپ ﷺ کا سر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں تھا۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ سورج غروب ہوگیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی تم نے نماز پڑھ لی؟انہوں نے کہا نہیں۔تب رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی،اے اللہ یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا،اس پر سورج کو لوٹا دے۔حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہوگیا تھا،پھر میں نے اس کو غروب کے بعد طلوع ہوتے ہوئے دیکھا۔(مشکل الآثار)

الغرض،صحابہ کرام علیہم الرضوان نے محبت و احترامِ رسول ﷺ کی وہ لازوال مثالیں قائم کیں،جن کا شمار ممکن نہیں اور انسانیت جن پر ہمیشہ رشک کرے گی۔لیکن یہ معاملہ ان حضرات تک ہی محدود نہیں،بلکہ ان انفاسِ قدسیہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے امت مسلمہ نے ہر زمانے میں اپنے پیارے نبی ﷺ کی محبت اور تعظیم کو اپنا سب سے قیمتی سرمایہ سمجھا ہے اور اپنی جانوں سے بڑھ کر اس اثاثے کی حفاظت کی ہے۔مزید برآں،اس معاملے میں کسی قسم کی کوئی تقسیم یا تخصیص بھی نہیں،مفسرینِ قرآن ہوں یا محدثین،ائمہ فقہ ہوں یا صوفیاء باصفا،سیرت نگار ہوں یا تاریخ دان،نثر نگار ہوں یا نعت گو شعراء،اس معاملے میں یہ سب آپ کو ایک دوسرے سے بڑھنے کی سعی کرتے نظر آئیں گے،حتیٰ کہ عوام مسلمین بھی اپنی قابلیت و اہلیت کے موافق اسی راہ پر گامزن ملیں گے۔اور کیوں نہ ہو،جس ہستی کی شان یہ ہو کہ خود ربِّ ذوالجلال اور اس کے فرشتے اس پر درود بھیجتے ہوں،ان کی غلامی کا شرف پانے والے کیونکر ان کی توصیف و ثناء سے رک سکتے ہیں۔یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پوری تاریخ انسانی میں کوئی ایک شخصیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس کی تعریف کرنے والے اتنی بڑی تعداد میں ہوں جتنی تعداد میں سید عالم ﷺ کے مدح خوان اس عالم میں ہوئے،اور نہ کسی کی اتنی کثرت سے تعریف ہی آج تک ہوئی جتنی آپ ﷺ کی ہوئی۔اور یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔بلاشبہ جس کا نام خود اللہ تعالیٰ عزوجل نے محمد اور احمد رکھا،اس کی حمد قیامت تک ہوتی ہی رہے گی۔لیکن اس سب کے باوجود کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی وہ تعظیم و توصیف کوئی کرسکا جو آپ ﷺ کے مقام کے لائق ہے؟یقیناً نہیں،کہ آپ ﷺ کا حقیقی مقام سوائے آپ ﷺ کے رب عزوجل کے،کوئی جانتا ہی نہیں۔اس بات کا اظہار اس شعر سے ہوتا ہے:

یاصاحب الجمال ویاسید البشر
من وجہک المنیر لقدنور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعداز خدابزرگ توئی قصہ مختصر

باب دوم

نبی کریم ﷺ کے مقام ومرتبہ اور آپ ﷺ کے ادب ومحبت کے بیان میں چند نصوص آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔اس باب میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ جس نبی ﷺ کی اس قدر شان اللہ تعالیٰ عزوجل نے بیان فرمائی، کیا اس کی توہین وتنقیص سے منع بھی فرمایا؟ قرآن میں رب تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے:

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔(النور:٦٣)
اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ (الحجرات:٢)
اے ایمان والو "رَاعِنَا" نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (البقرہ:١٠٤)
اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے مسلمان ہوکر۔ (التوبہ:٦٥،٦٦)
بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(الاحذاب:٥٧)
اور وہ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے (التوبہ:٦١)

ان آیات سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:
سورہ نور کی آیت ٦٣ کا ایک معنی مفسّرین نے یہ بھی بیان فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ندا کرے تو ادب وتکریم اور توقیر وتعظیم کے ساتھ آپ کے معظّم القاب سے نرم آواز کے ساتھ متواضعانہ ومنکسرانہ لہجہ میں۔ نبی کریم ﷺ کو محض اس طرح مخاطب کرنا، جس طرح ایک دوسرے کو پکارا جاتا ہے، گستاخی کے زمرے میں آتا ہے۔ الغرض، سید عالم ﷺ کی بارگاہ اقدس کا معاملہ ہی جُدا ہے اور اسے دوسروں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

سورہ الحجرات کی آیت ٢ میں حضور ﷺ کا اجلال واکرام اور ادب واحترام تعلیم فرمایا گیا اور حکم دیا گیا کہ ندا کرنے میں ادب کا پورا لحاظ رکھیں، جیسے آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہیں اس طرح نہ پکاریں بلکہ کلماتِ ادب وتعظیم وتوصیف وتکریم والقابِ عظمت کے ساتھ عرض کریں۔ یعنی ان کے حضور صرف بلند آواز سے بولنا بھی گستاخی ہے، اور اس پر وعید کیا ہے؟ ساری عمر کے اعمال کا اس بظاہر معمولی بے ادبی کی وجہ سے اکارت چلے جانا۔ جو لوگ اس بھول میں ہیں کہ گستاخی شاید شدید توہین ہی سے ہوتی ہے، وہ اپنی غلط فہمی دور کرلیں۔ دیکھئے، آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ "اعمال اکارت ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو"۔ ظاہر ہے کہ جو صریح گستاخی کرے گا وہ تو اپنے اس قبیح عمل سے واقف ہوگا، خبر اُسے نہیں ہوگی جو اپنے زعم باطل میں اپنی کسی بے احتیاطی کو گستاخی کے زمرے میں شمار ہی نہیں کرے گا اور لاعلمی میں ہلاک ہوجائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے معاملے میں کس قدر احتیاط چاہیئے۔
امام قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ الشفاء میں فرماتے ہیں کہ ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا قائل تو ہو مگر یہ کہتا ہو کہ آپ ﷺ کا رنگ کالا تھا، یا آپ ﷺ ریش مبارک نکلنے سے پہلے وفات پاگئے، یا آپ ﷺ وہ نہیں جو مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس میں پیدا ہوئے تھے، یا یہ کہ آپ ﷺ قریشی نہ تھے۔ دلیلِ کفر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ایسی تعریف کرنا جو آپ ﷺ کی معروف ومشہور اوصاف کے خلاف ہو، گویا اس نے آپ ﷺ کی نفی کی اور آپ ﷺ کی تکذیب کی۔

سورہ البقرہ کی آیت ١٠٤ کا شان نزول یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو کچھ تعلیم وتلقین فرماتے تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے "رَاعِنَا یارسول اللہ"۔ اس کے یہ معنی تھے کہ یارسول اللہ ہمارے حال کی رعایت فرمائیے، یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجئے۔ یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوءِ ادب کے معنی رکھتا تھا، انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہود کی اصطلاح سے واقف تھے، آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا، اے دشمنان خدا! تم پر اللہ کی لعنت، اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اس کی گردن ماردوں گا۔ یہود نے کہا ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں، مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اس پر آپ رنجیدہ ہوکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں "رَاعِنَا" کہنے کی ممانعت فرمادی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ "اُنظُرنَا" کہنے کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی تعظیم وتوقیر اور ان کی جناب میں کلماتِ ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترکِ ادب کا شائبہ بھی ہو وہ زبان پر لانا منع ہے۔

سورہ توبہ کی آیت ٦٥ اور ٦٦ سے ثابت ہوا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کُفر ہے، جس طرح بھی ہو، اس میں عذر قبول نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی کے بعد ہنسی مذاق کا

بہانہ کام نہیں آئے گا، بلکہ یہ عذر قابل سماع ہی نہیں۔اور یہ بات ان لوگوں کے حق میں فرمائی جو مسلمان کہلاتے تھے، کیونکہ فرمایا کہ تم کافر ہو گئے مسلمان ہونے کے بعد۔واضح ہوا کہ گستاخِ رسول دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے اور کافر قطعی ہو جاتا ہے۔

سورہ احزاب کی آیت ۵۷ اور سورہ توبہ کی آیت ۶۱ میں اللہ تعالیٰ عزوجل کو اور رسول ﷺ کو ایذا دینے والوں کا ذکر ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ عزوجل اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کو ایذا دے سکے۔معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینا ہی اللہ تعالیٰ عزوجل کو ایذا دینا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کو ہر اس بات سے ایذا پہنچتی ہے جس میں کسی طرح آپ ﷺ کی تکذیب یا توہین ہو۔یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے بدبختوں پر نہ صرف دنیا، بلکہ آخرت میں بھی اللہ کی لعنت ہے، چنانچہ وہ روزِ آخرت بھی اللہ تعالیٰ عزوجل کی رحمت کے حق دار نہیں۔یہ ان کے دائمی جہنمی ہونے کی دلیل ہے۔

الغرض ان آیات کریمہ سے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں بے ادبی کی ممانعت قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے۔یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ جس قدر کسی کا رتبہ بلند ہوگا، اتنا ہی اس کی بے ادبی سے بچنا لازم ہو گا، اور اس سلسلے میں اس کا دوسروں پر امتیاز بھی ہوگا۔دیکھئے، ماں باپ کا ادب بڑے بھائی بہن سے زیادہ ہے، اسی طرح استاد، عالم دین اور شیخ طریقت کا معاملہ ہے کہ ان سب کا ادب مساوی نہیں۔اگر چہ یہ سب لوگ ہی قابل احترام ہیں لیکن بعض کو اس سلسلے میں دوسروں پر فوقیت حاصل ہے۔جب شخصیات کے آداب میں مساوات نہیں تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سب سے زیادہ ادب واحترام کے لائق وہی ہستی ہے جس سے سب سے زیادہ محبت کرنے کا حکم ہے، جیسا کہ باب اول میں مسلم و بخاری کی احادیث سے ثابت ہوا، اور ان کی ادنیٰ سی بے ادبی سے بچنا بھی حفظِ ایمان کا تقاضا ہے اور اس کے عکس میں ایمان کی مکمل تباہی ہے۔

باب سوم

اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ شاتمِ رسول کی سزا صرف موت ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔گستاخی کی اس سزا پر یہ حقیقت بھی دلالت کرتی ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ جب کسی کو سنتے کہ بارگاہِ رسالت میں یاوہ گوئی کرتا ہے یا آپ ﷺ کو اذیت دے رہا ہے تو اسے قتل کر دیتے، خواہ ان کا قریبی رشتہ دار ہوتا۔حضور ﷺ ان کے اس طرزِ عمل کو سراہتے اور اسے مقرر رکھتے، اور بعض اوقات ایسا کارنامہ سرانجام دینے والے کو اللہ تعالیٰ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کا حامی قرار دیتے۔اس سلسلے میں چند احادیث ملاحظہ کیجئے:

ایک شخص بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میری ملاقات میرے باپ سے ہوئی، وہ مشرکین کے ایک گروہ میں تھا، میں نے سنا کہ وہ آپ ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کر رہا ہے تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور نیزے کی نوک سے اسے قتل کر ڈالا۔یہ بات حضور ﷺ کی طبعِ نازک پر گراں نہ گزری۔(ابو اسحاق فزاری۔سیرت)

نبی اکرم ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا، اس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔جب مشرکین کے مقابلہ میں صفیں ترتیب دیں تو ایک شخص نے مشرکین کی صفوں سے نکل کر نبی اکرم ﷺ کو گالی دینا شروع کی۔پس لشکرِ اسلام میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا: میں فلاں بن فلاں ہوں اور میری ماں فلاں عورت ہے، تو مجھے اور میری ماں کو گالیاں دے لے مگر رسول اللہ ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی سے باز رہ، اس سے وہ اور زیادہ برانگیختہ ہوا اور ہرزہ سرائی کا اعادہ کیا، اس مسلمان نے بھی دوبارہ یہی کلمات دہرائے، پھر تیسری بار کہا، اگر تو نے اب کی بار بکواس کی تو اپنی تلوار سے تجھ کو چلتا کروں گا، اس نے پھر بیہودہ گوئی کی تو اس مردِ مجاہد نے اس پر حملہ کر دیا، وہ پیٹھ دے کر بھاگا، یہ اس کے تعاقب میں تھا، یہاں تک کہ مشرکوں کی صفیں چیرتے ہوئے اسے تلوار سے زخمی کر دیا، بعد میں مشرکوں نے اسے گھیر کر شہید کر دیا، یہ منظر دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں اس مجاہد کے طرزِ عمل پر حیرانی ہے جس نے اللہ تعالیٰ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت وحمایت کی۔(ابو اسحاق فزاری۔سیرت)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب کے پاس گئے اور اسے قتل کر دیا۔حدیث میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔(صحیح بخاری۔صحیح مسلم۔سنن ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا کی باندی ام ولد تھی۔وہ نبی ﷺ کو برا کہتی تھی اور آپ ﷺ کو سب وشتم کرتی تھی، وہ نابینا منع کرتے رہتے تھے مگر وہ باز نہیں آتی تھی۔ایک رات جب وہ نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کر رہی تھی تو انہوں نے آ کر گپتی لے کر اس کو اس کے پیٹ پر رکھ کر دبایا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا اور اس کی ٹانگوں میں ایک بچہ آ کر اس کے خون میں لتھڑ گیا۔صبح کو لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے سب لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ جس شخص نے بھی یہ کام کیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے۔وہ نابینا لوگوں کو پھلانگتا ہوا آیا اور نبی کریم ﷺ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور کہا یارسول اللہ ﷺ میں اس باندی کا مالک ہوں، وہ آپ ﷺ کو سب وشتم کرتی تھی، میں اس کو منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہیں آتی تھی، اس سے موتیوں کی مانند میرے دو بچے بھی ہوئے اور وہ میری رفیقہ تھی، گزشتہ رات وہ پھر آپ ﷺ کو سب وشتم کر رہی تھی اور برا کہہ رہی تھی، میں نے اس کے پیٹ میں گپتی رکھ کر اس کو دبایا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا سنو! گواہ ہو جاؤ کہ اس کا خون رائیگاں ہے (یعنی اس کا کوئی قصاص یا تاوان نہیں ہوگا)۔(سنن ابوداؤد۔سنن نسائی)

حضرت عرفہ بن الحارث کو مصر کا ایک نصرانی ملا جس کا نام مذقون تھا، انہوں نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نصرانی نے نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی، انہوں نے حضرت عمرو بن العاص

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ معاملہ پیش کیا، انہوں نے حضرت عرفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا ہم ان سے عہد کر چکے ہیں، حضرت عرفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم اس سے اللہ عزوجل کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی ایذاء پر عہد کریں، ہم نے ان سے صرف اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کو ان کے گرجوں میں عبادت کرنے دیں گے، اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالیں گے اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کی حفاظت کے لیے لڑیں گے، اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ آپس میں اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں گے، لیکن جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کے درمیان اللہ تعالیٰ عزوجل کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تم نے سچ کہا۔ (المعجم الاوسط۔ سنن کبریٰ)

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بہن مشرکہ تھی۔ جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس جاتے تو وہ آپ ﷺ کو سب وشتم کرتی اور آپ ﷺ کو برا کہتی۔ انہوں نے ایک دن اس کو تلوار سے قتل کر دیا۔ اس کے بیٹے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں معلوم ہے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے، کیا امن دینے کے باوجود اس کو قتل کیا گیا ہے، اور ان لوگوں کے ماں باپ مشرک تھے۔ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوف ہوا کہ یہ لوگ کسی اور بے قصور کو قتل کر دیں گے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس جا کر اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اپنی بہن کو قتل کیا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیوں؟ کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ ﷺ کے متعلق مجھے ایذا پہنچاتی تھی، نبی کریم ﷺ نے اس کے بیٹوں کے پاس کسی کو بھیجا تو انہوں نے کسی اور کا نام لیا جو اس کا قاتل نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (المعجم الکبیر)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودیہ نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کرتی تھی، ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی، نبی کریم ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (السنن الکبریٰ)

جب مکہ فتح ہوا تو حضور ﷺ نے وہاں کے تمام باشندوں کو امن کی ضمانت دی، سوائے چار افراد کے، اور فرمایا ان چاروں کو قتل کر دو خواہ انہیں کعبہ شریف کے پردوں کے ساتھ لٹکے ہوئے پاؤ، وہ چار اشخاص یہ ہیں: عکرمہ بن ابوجہل، عبداللہ بن اخطل، مقیس بن حبابہ اور عبداللہ بن ابی سرح۔

عبداللہ بن اخطل کعبہ شریف کے پردوں میں چھپا ہوا پایا گیا تو سعید بن حارث اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی طرف دوڑے مگر سعید جوان آدمی تھے، وہ عمار سے آگے نکل گئے اور اسے قتل کر دیا۔

مقیس بن حبابہ کو لوگوں نے بازار میں جالیا اور اسے تہ تیغ کر دیا۔

جہاں تک عکرمہ کا تعلق ہے، وہ سمندری سفر پر نکل کھڑا ہوا، سمندر میں طوفان آیا تو اہلِ کشتی نے کہا، اخلاص سے کام لو، یہ تمہارے دیوتا تمہارے کام نہ آئیں گے، اس پر عکرمہ نے کہا بخدا اگر سمندر میں اخلاص نجات دیتا ہے تو خشکی پر بھی اس کے سوا کوئی چیز بچا نہیں سکتی، اے اللہ! میرا تیرے ساتھ عہد ہے کہ اگر تو مجھے اس مصیبت سے بچالے تو محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ میں انہیں بہت زیادہ معاف کرنا والا اور کرم والا پاتا ہوں۔ اس کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

رہا معاملہ عبداللہ بن ابی سرح کا، تو وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں چھپ گیا، وہ اسے بارگاہِ رسالت میں لے آئے اور سامنے کھڑا کر کے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اس کو بیعت فرمائیے، نبی اکرم ﷺ نے تین بار سرِ اقدس اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، گویا ہر بار انکار فرما رہے ہوں، اس کے بعد اس کو بیعت فرمایا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف رخِ انور کر کے فرمایا: کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہ تھا کہ جب مجھے بیعت سے ہاتھ روکتے دیکھا تو اٹھ کر اس کو قتل کر دیتا؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ ﷺ کے دل میں کیا ہے، آپ ﷺ نے آنکھ سے اشارہ کیوں نہیں فرمایا؟ فرمایا: کسی نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ خیانتِ نظر سے کام لے۔ (نسائی)

ابن اخطل کے بارے میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے صدقات کا عامل مقرر فرمایا اور اس کے ساتھ ایک شخص بھیجا جو اس کی خدمت بجالاتا تھا۔ اس کے بروقت کھانا تیار نہ کرنے کی وجہ سے طیش میں آ کر اس نے اسے قتل کر ڈالا، پھر بوجہ خوف، مرتد ہو گیا اور صدقات کے جانور بھی ہانک کر لے گیا۔ مزید برآں، وہ حضور ﷺ کی شان میں ہجو یہ اشعار کہتا اور اپنی باندیوں کو اشعار کے گانے کا حکم دیتا تھا، پس یہ ہیں اس کے تین جرائم جو اس کے خون کو مباح قرار دیتے ہیں: ۱۔ قتلِ نفس ۲۔ ارتداد ۳۔ ہجو گوئی

اس واقعہ سے استدلال کرنے والے علماء کہتے ہیں کہ ابن اخطل قتلِ نفس کے بدلے میں قتل نہیں ہوا، کیونکہ بے گناہ کو قتل کرنے اور مرتد ہو جانے کی زیادہ سے زیادہ سزا یہ ہے کہ اسے قصاص میں قتل کر دیا جائے، جبکہ اس کے ہاتھوں قتل ہونے والے شخص کا تعلق بنوخزاعہ سے تھا جس کے اولیاء موجود تھے، اگر اس کے قتل کا حکم قصاص کے طور پر ہوتا تو اسے مقتول کے اولیاء کے حوالے کیا جاتا، پھر وہ چاہتے تو اسے قتل کر دیتے یا معاف کر دیتے، یا پھر دیت لے کر چھوڑ دیتے۔

اسے مجرد ارتداد کی وجہ سے بھی قتل نہیں کیا گیا، کیونکہ مرتد سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، وہ مہلت مانگے تو اسے مہلت دی جاتی ہے، جبکہ ابن اخطل کی تو یہ حالت تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کی پناہ لینے کے لیے بھاگا، اس نے امان کی خواستگاری کی، قتال ترک کیا اور اسلحہ پھینک دیا تاکہ حضور ﷺ اس کے معاملہ میں غور فرمائیں، مگر نبی اکرم ﷺ نے ان تمام حقائق سے آگاہ ہونے کے باوجود اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ یہ مجرد ارتداد کی بنیاد پر قتل کرنے کا انداز نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ اس کے قتل میں اس قدر سختی دراصل گستاخانہ کلمات اور ہجو پر تھی۔ گستاخ اگر چہ ارتداد بھی اختیار کرے تو وہ مرتد محض نہیں، اسے مطالبۂ توبہ سے پہلے قتل کر دیا جائے اور قتل میں تاخیر نہ کی جائے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ توبہ کے بعد اسے قتل کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل عبداللہ ابن ابی سرح کا واقعہ بھی ہے کہ جب اس نے توبہ کر لی تب بھی حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بیعت کرنے سے پہلے (اس کی توبہ کرنے اور بیعت قبول کرنے کے درمیان) کسی نے اسے قتل کیوں نہ کر دیا؟ اس سے حضور ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ اس کے قتل کا حکم بیعت اور امان سے ختم ہوا اور گناہ کا ازالہ اسلام سے ہوا۔ معلوم ہوا کہ گستاخ جب اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اسلام گستاخی کا گناہ مٹا دیتا ہے مگر قتل کا جائز ہونا باقی رہتا ہے، یہاں تک کہ قتل کا ساقط کرنا اس ذات سے پایا جائے جو اس حق کی مالک ہے۔

ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد گستاخِ رسول کا حکم فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے:

علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنا بالاجماع کفر ہے اور توہین کرنے والا واجب القتل ہے، خواہ توہین کا تعلق آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ ہو، آپ ﷺ کے دین کے ساتھ ہو یا آپ ﷺ کی کسی صفت کے ساتھ ہو، اور یہ اہانت خواہ صراحتاً ہو یا کنایتاً یا تعریضاً ہو یا تلویحاً۔ اسی طرح کوئی آپ ﷺ کو بددعا کرے یا آپ ﷺ کا براچاہے، آپ ﷺ کے عوارض بشریہ یا آپ ﷺ کے متعلق اشیاء یا اشخاص کا آپ ﷺ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بطریق طعن یا مذمت ذکر کرے۔ غرض جس شخص سے کوئی ایسا کام صادر ہو جس سے آپ ﷺ کی اہانت ظاہر ہو، وہ کفر ہے اور اس کا قائل واجب القتل ہے۔

قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ محمد بن سحنون علیہ الرحمہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اہانت کرنے والا اور آپ ﷺ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے، اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کو گالی دینے والا کافر ہے اور اس کو بالاتفاق قتل کیا جائے گا اور یہی ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے، اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اس اجماع کو بیان کیا ہے، اور امام احمد اور محدثین کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمد علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی یا آپ ﷺ کی تنقیص کی، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، اس کو قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

علامہ شامی حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے رسول اللہ کو گالی دی ہو، اس کی توبہ قبول نہ کرنا امام مالک علیہ الرحمہ کا مشہور مذہب ہے، اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی علیہما الرحمہ کا ایک قول یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ عدمِ قبولِ توبہ کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی لہذا اسے قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح علامہ ابوبکر فاسی نے کتاب الاجماع میں لکھا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کو صراحتاً گالی دی، اس کو قتل کرنا واجب ہے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے، اگر وہ توبہ کرے گا تب بھی اس سے قتل ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ یہ حد قذف ہے اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

فقہاء اسلام کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والا مرتد ہے اور واجب القتل ہے۔ اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرتد وہ شخص ہوگا جو پہلے مسلمان ہو، اگر کوئی غیر مسلم نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ سو اس کا حکم بھی یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا، اور گستاخی کا معنی یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ یا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی علیہ السلام کے متعلق ایسا لفظ بولے یا لکھے جو عرف میں توہین ہو تو ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔

ابوالمواہب عبکری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ پر بہتان باندھنے سے حد مغلظ یعنی قتل کی سزا لازم آتی ہے، خواہ بہتان طراز توبہ کرے یا نہ کرے، اور خواہ ذمی ہو یا مسلمان۔ اسی طرح دوسرے علماء نے بیان کیا کہ گستاخِ رسول ﷺ کو بلاتفریقِ مذہب قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اور توبہ قبول نہ ہونے سے ان علماء کی مراد یہ ہے کہ توبہ سے سزائے قتل ساقط نہ ہوگی۔

قاضی شریف ابوعلی بن ابی موسیٰ جو کہ نقلِ مذاہب میں قابلِ اعتماد ہیں، اپنی کتاب ارشاد میں نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے، وہ واجب القتل ہے، اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اور جو ذمی اس اہانت کا مرتکب ہو وہ بھی واجب القتل ہے، خواہ وہ اسلام لے آئے۔

ابوعلی البناء الخصال والاقسام میں رقم طراز ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا گستاخ واجب القتل ہے، اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اگر گستاخ کافر ہو پھر اسلام لے آئے تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔

علماء بیان کرتے ہیں کہ گستاخ کے واجب القتل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ دو حق متعلق ہیں: حقِ خداوندی اور حقِ عبد، اور سزا سے جب اللہ تعالیٰ اور آدمی کے حقوق متعلق ہوں تو سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ جیسے محاربہ کی سزا ہے، کہ اس معاملہ میں اگر مجرم قابو میں آنے سے پہلے توبہ کرلے تو قصاص سے متعلق آدمی کا حق ساقط نہ ہوگا، البتہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا حق ساقط ہو جائے گا۔

پس روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ شاتمانِ رسول کی سزا موت ہے، جس پر عمل خود زمانہ رسالت مآب ﷺ سے جاری ہے۔ بعض لوگ یہاں یہ شبہ لاتے ہیں کہ چونکہ حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، لہذا اس طرح لوگوں کو قتل کروانا صفتِ رحمت کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ بلاشبہ حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، لیکن معترض نے صفتِ رحمت کا مطلب سمجھا ہی نہیں۔ اگر یہ بات رحمت کے خلاف ہے تو پھر بدر میں ابوجہل اور دیگر کفار کو قتل کرنا کیوں رحمت کے خلاف نہیں؟ ساری عمر جہاد کرنا اور اللہ عزوجل کے دشمنوں سے لڑنا کیوں صفتِ رحمت سے متضاد نہیں؟ معترضین ان کی کیا تاویل کریں گے؟ ثابت ہوا کہ یہ محض غلط فہمی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

مزید برآں، جو لوگ ان واقعات کو رحمت کے خلاف سمجھتے ہیں وہ ذرا بتائیں کہ حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنانے والا رب کیا ارحم الراحمین نہیں؟ کیا اس سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا ہے؟ یقیناً نہیں۔ تو پھر وہ اپنے نافرمانوں اور کافروں کو دردناک عذابوں سے کیوں ڈراتا ہے؟ کیوں انہیں جہنم کی وعیدیں سناتا ہے؟ بلکہ جہنم اس نے پیدا ہی کیوں کی؟ کم فہموں کو کیا اس میں بھی خلافِ رحمت ہی نظر آئے گا؟ اللہ تعالیٰ عزوجل سمجھنے کی توفیق دے تو اس میں بھی رحمت کے پہلو نظر آتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ کے بعض بندے تو وہ ہیں جو بغیر جزا و سزا کو مدنظر رکھتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ عزوجل کی خاطر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والی خوشخبریوں اور جنت کی نعمتوں کی طلب میں راہِ حق کو اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کو جنت کی کشش نہیں کھینچتی تو وہ سزا کے خوف اور عذابِ جہنم کے ڈر سے سیدھے راستے پر آجاتے ہیں۔ اور جب کوئی بندہ ایک مرتبہ اللہ کے راستے پر آجائے، تو امید ہے کہ کبھی نہ کبھی وہ اس حقیقت کو بھی پالے گا کہ جنت اور جہنم تو ثانوی چیزیں ہیں، اصل تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ مختصر یہ کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ عزوجل کی حکمتیں ہیں، جن کو وہی بہتر جانتا ہے، ہمیں تو بس حکم کی پیروی کرنا ہے۔ اور حکم ثابت ہو جانے کے بعد اس کو محض اپنی ناقص عقل کے ترازو پر تولتے ہوئے اس کا انکار کرنا جہالت اور گمراہی ہے۔

باب چہارم

اوپر کے تین ابواب میں مقامِ نبوت اور وجوبِ احترامِ نبوت کو بیان کرنے کے بعد گستاخی اور تنقیص کی ممانعت اور شاتمِ رسول کا شرعی حکم بیان ہوا۔
اس ساری تفصیل کو پڑھنے کے بعد ذرا اپنے آج کے ماحول پر نظر ڈالیے اور اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کا مشاہدہ کیجیے۔ آج ناموسِ رسالت جیسے قطعی اور غیر متنازعہ معاملے کو ایک اختلافی مسئلہ بنا کر پیش کرنے اور اس بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی کہ امت مسلمہ پر یہ وقت بھی آنا تھا جب عزت واحترامِ رسول ﷺ جیسے حتمی معاملے کو متنازعہ بنا کر اس پر مکالمہ اور مباحثہ کرنے کا مطالبہ کیا جاتا۔
مکالمے یا مباحثے سے انکار نہیں، مگر سوال یہ ہے کہ:
کیا مسلمانوں کو آپس میں ذاتِ الٰہی کے اثبات پر مباحثہ کرنے کی حاجت ہے؟ البتہ، یہ مباحثہ کسی دہریے یا خدا کے منکر سے ہوسکتا ہے۔
کیا مسلمانوں کو آپس میں توحیدِ الٰہی پر مباحثہ کرنے کی حاجت ہے؟ البتہ، یہ مباحثہ کسی مشرک سے ہوسکتا ہے۔
کیا مسلمانوں کو آپس میں عقیدہ ختمِ نبوت پر مباحثہ کرنے کی حاجت ہے؟ البتہ، یہ مباحثہ کسی قادیانی یا منکرِ ختمِ نبوت سے ہوسکتا ہے۔
کیا مسلمانوں کو آپس میں ناموسِ رسالت اور اس کے شرعی حکم پر مباحثہ کرنے کی حاجت ہے؟ البتہ، یہ مباحثہ کسی منکرِ ناموسِ رسالت سے ہوسکتا ہے۔
پس، اگر کسی کو ناموسِ رسالت اور گستاخِ رسول کی سزا پر مباحثہ کرنا ہے تو پہلے وہ اپنی حیثیت کی وضاحت کرے اور اپنا منکرِ ناموسِ رسالت ہونا قبول کرے، انشاءاللہ علمائے اسلام غلامئ رسول ﷺ کا حق ادا کرنا جانتے ہیں اور اپنے نبی ﷺ کی عزت وحرمت اور ان کی تنقیص کرنے والے کی شرعی سزا کا ثبوت نصوصِ قطعیہ سے باحسن ثابت کرسکتے ہیں۔

ایک اور بحث اس ضمن میں توہینِ رسالت کے قانون (۲۹۵۔سی) کے بارے میں کی جارہی ہے اور یہ مطالبہ زور وشور سے بعض حلقے کررہے ہیں کہ اس قانون پر پارلیمنٹ میں بحث ہونی چاہیے۔ مذکورہ بالا حلقے یہ تاثر بھی پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ یہ قانون ایک فوجی آمر نے جمہوری تقاضوں کے خلاف زبردستی لاگو کیا تھا۔ حالانکہ ایسے بہت سے حضرات جو اس قانون کی تاریخ سے واقف ہیں اور بعض تو اس عمل کا باقاعدہ حصہ رہے ہیں جس کے ذریعے اس قانون کو پاکستان میں لاگو کیا گیا، اس سلسلے میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قانون لاگو کرنے کے لیے وہ تمام تقاضے پورے کیے گئے جو کسی بھی قانون کو نافذ کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ حتیٰ کہ اس قانون کو ہائیکورٹ میں چیلنج کیا گیا، جہاں ایک فُل بنچ کے سامنے اس پر بحث ہوئی اور بالآخر عدالت نے اسے صحیح قرار دیتے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

آئیے اس مطالبے کا ایک اور طرح سے جائزہ لیتے ہیں کہ کیا اس قانون پر پارلیمنٹ میں مزید کسی بحث کی ضرورت ہے؟ جیسا کہ پچھلے ابواب میں اس بات کا ثبوت دیا گیا کہ ناموس رسالت مسلمانوں کا قطعی اجماعی مسئلہ ہے جس میں امت مسلمہ کا کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔ نہ تو گستاخِ رسول کا کافر و مرتد ہوجانا مختلف فیہ مسئلہ ہے، نہ شاتمِ رسول کی سزا میں فقہاء کی رائے مختلف رہی ہے۔ اس کے بعد یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قانون کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اس کا قانونِ شرعی ہونا، اس کے لیے شرع سے ثبوت چاہیے۔ دوسرا اس کا ملک میں نفاذ، اس کے لیے بعض قانونی اور دستوری مراحل سے گزرنا ضروری ہے۔
جہاں تک ناموس رسالت کے قانون کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت مطہرہ میں اس کی حیثیت مسلّم اور ثابت ہے۔ اب یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ جب شرع کسی چیز کا حکم کرے تو اس کی اطاعت کے لیے مزید کسی دنیاوی قانون کی حاجت نہیں ہوتی۔ دیکھیے ہم پانچ وقت کی نماز اس لیے ادا نہیں کرتے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ نے اس بارے میں کوئی قانون پاس کیا ہے، اسی طرح ہم رمضان کے روزے اس لیے نہیں رکھتے اور زکوٰۃ اس لیے ادا نہیں کرتے کہ سینیٹ کی کسی کمیٹی نے اس کی منظوری دی ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ چیزیں ہم پر شریعت نے فرض کی ہیں۔ خدانخواستہ اگر اس ملک کی پارلیمنٹ شراب نوشی کو جائز قرار دے کر اس کی اجازتِ عام دیدے تو کیا وہ ہمارے لیے حلال ہوجائے گی؟ کیا قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے سے پہلے ختمِ نبوت کے منکرین مسلمان تھے؟ ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا کہ نصوصِ شرعیہ سے ثابت شدہ احکام ملکی قوانین کے محتاج نہیں ہوتے۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ بعض احکامات کے عملاً اطلاق کے لیے بحیثیت قانون ان کا نفاذ بہتر ہوتا ہے، جیسا کہ ختمِ نبوت کے معاملے میں قادیانیوں کو قانوناً اقلیت قرار دینا۔ اس نفاذ کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ریاست اس معاملے کو اپنی ذمہ داری میں نہ لے تو بہت سے فیصلے عدالتوں کے بجائے سڑکوں اور گلیوں میں ہوں گے جن سے فتنہ اور فساد پھیلنے کا خدشہ ہے۔
اب جب کہ ناموسِ رسالت کا قانون الحمدللہ پاکستان میں باقاعدہ نافذ ہے، تو اس کے خلاف زہر اگل کر اور نئی نئی ابحاث چھیڑ کر لوگوں کے جذبات کو مجروح کرنا کسی لحاظ سے درست نہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس قانون میں کوئی سقم یا کمزوری ہے (اگر کوئی ہے) تو اس کا جائزہ لینے کے لیے اعلیٰ عدالتیں موجود ہیں جہاں پوری احتیاط کے ساتھ علمائے کرام سے مشاورت کر کے اس کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔
یہ طریقہ انتہائی غیر موزوں ہے کہ ٹی وی ٹاک شوز میں بیٹھ کر ایسے لوگ اس پر کھلے عام اظہار خیال کریں جو شریعت کے بنیادی اصولوں تک سے واقف نہیں۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہمارا آزاد میڈیا باقاعدہ ایک فتنے کی نشونما کررہا ہے جو نام نہاد آزاد خیال، مذہب بیزار قوتوں کی کوکھ سے پیدا ہوا ہے۔ آج ٹی وی پر بیٹھ کر ایسی خواتین اسلام کی تشریح بیان کرتی نظر آتی ہیں جن کو مکمل لباس پہننے کی بھی توفیق نہیں۔ ایسے خودساختہ مفکر اور دانشور بنیادی عقائد پر اظہار خیال کرتے پائے جاتے ہیں جو بنیادی احکام وفرائض کی جزئیات تک سے واقفیت نہیں رکھتے۔ سول سوسائٹی کے ردِعمل کے عنوان سے ایسے منظر

دکھائے گئے جن میں نوجوان لڑکے اورلڑکیاں ہاتھوں میں شمعیں لیےاور چندخواتین ہاتھوں میں مائیک لیے گلے پھاڑ کرایک بدزبان، بدبخت وگستاخ کے حق میں راگ الاپتی نظرآتی ہیں۔بعض کے ہاتھوں میں ایسے پلے کارڈبھی دکھائے گئےجن پرجلی حروف میں لکھا مولوی کا اسلام قبول نہیں۔ بہت خوب،لیکن معاف کیجئے گا،اسلام تومولوی ہی سے ملے گا،کیونکہ علمِ دین کے ورثاءتو بہرحال علمائے کرام ہی ہیں،اور جولوگ ان علماء سے بیزار ہیں وہ بیچارے سڑکوں پرکھڑے ہوکرگانے ہی گائیں گےاوراسی کو اسلام سمجھیں گے۔مقامِ عبرت یہ ہے کہ ایک گستاخ کے مرنے کے بعداس پر گانے کے لیے گویےتومل جاتے ہیں لیکن اس کا جنازہ پڑھنے کے لیےکوئی امام نہیں ملتا،اوربمشکل تلاش بسیار کے بعدسیاسی جماعت سےمنسلک کسی ملا کو جنازے کے آگے کھڑا کرنا پڑتا ہے(ایسی بدنصیبی سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں)۔

یہاں اس فتنے کے چندکرداروں کے بارے میں کچھ معلومات بھی پیش کردی جائیں تومناسب ہوگا تاکہ ہمارے وہ بھولے بھالے بھائی بہن جوزیادہ معلومات نہیں رکھتے،وہ ان کے مکروہ جال میں پھنسنے سے بچے رہیں۔اس فتنے کے روحِ رواں توبعض نام نہاددانشور،مفکر،روشن خیال مذہبی سکالرہیں،لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارا میڈیا اس فتنے کوپھیلانے اوراسے ہوادینے کاسب سے بڑااوراہم ذریعہ ہے،جوجانے انجانے میں اس بیج کی آبیاری کررہاہےاوراسے پھلنے پھولنے کاموقع دے رہاہے۔بہرحال،ان کرداروں میں ایک اہم نام جاویداحمدغامدی کاہے،اوردوسراخالدظہیرکا۔یہ دونوں حضرات مذہبی جدت پسندی کالبادہ اوڑھے،قانونِ ناموسِ رسالت کی مخالفت میں آج کل پیش پیش ہیں۔دعویٰ تویہ لوگ دلیل کاکرتے ہیں لیکن اپنے فاسدخیالات کے ثبوت میں ذاتی تاویلات کےعلاوہ ان کے پلے کچھ بھی نہیں۔

اختصار کوپیشِ نظر رکھتے ہوئے یہاں ان میں سے صرف ایک شخص (خالدظہیر) کامختصرتعارف پیش کیاجارہاہے جسے جاننے کے بعدآپ خوداس بات کافیصلہ کرسکیں گے کہ کیایہ شخص اس قابل ہے کہ اپنے دینی اور مذہبی معاملات میں اس پراعتبار کیاجائےاوراس کی رائے کوکوئی اہمیت دی جائے۔اس ضمن میں خالدظہیرکی ویب سائٹ سے کچھ موادنقل کیاجارہاہے،اسے بغورپڑھئے:

http://www.khalidzaheer.com/qa/984

Question:

My current understanding is as follows:

We have two main sources of God's system (besides our conscience).

1) Quran, the book of God

2) Sunnah of the last prophet (peace be upon him).

I am confused on the understanding of the word "Sunnah".

Javed Ahmad Ghamidi convinced me that the word Sunnah would mean worship methods and other practices that reached us from Prophet Mohammad (peace be upon him) through the crowd.

Quran and Sunnah both reached us through the same source "crowd".

I have always been reluctant to accept hadees books as part of Islam mainly because I think God's religion cannot be based on hearsay. That is why Javed Ahmad Sahib's argument convinced me.

I was living happily thereafter until I got a chance to have an open minded discussion with a Mufti Sahib yesterday. I shared with him my position and asked him to tell me along with reasons if I am wrong.

He put forward a very basic argument and I was surprised I had nothing to say.

He said, if I am ready to accept that Sunnah has reach us through the crowd then why it is hard for me to accept that Sunnah can also reach us in written form through the same crowd?

Whatever is written in hadees books is also practiced by people (at least a group of people). Before hadees books were written down (about 200 years after the demise of Prophet pbuh), his saying were practiced by people although their written form did not exist at that time.

If I can say that methods implemented in the crowd is "sunnah" then what arguments do I have to exclude what is

written in hadees books from sunnah category. The content of Hadees books' is a subset of what came to us though the crowd; as it is also practiced by people (at least by some group of people), besides the fact that it exist in written form as well.

Please spare some time to throw some light on this topic.

Here is another way of putting the question:

Lets take out hadees books out of the equation for a minute. If we want to define Sunnah in terms of what came to us through the crowd then how can we say that only A, B, and C will be considered as Sunnah, while D, E, and F will not be considered as Sunnah; although all A, B, C, D, E, and F are practiced by people and that is how they reached to us. And it happens to be that D, E, F are also written in hadees books.

God knows the best. May God guide me in the right direction.

Response:

It is good to know that you keep thinking about your religion with an open mind and you also allow others to criticise your understanding in the light of arguments. As long as you take arguments on their merit, even though you can at times be wrong, you will never be led astray, insha'Allah. I hope the Mufti Sahib you talked to and his students and followers also adopt the same approach.

The idea of religion coming to us through a crowd rather than an individual is very valid. It is indeed what distinguishes the reliable sources of religion (Qur'an and Sunnah) from the less reliable ones (hadith).

Indeed Mufti Sahib is right in claiming that Sunnah and Hadith are both followed by the crowd. However, the crowd of Sunnah started practising it right from the time of the prophet, alaihissalaam, and the crowd of hadith followed it more than two hundred years after the demise of the prophet, after hadith was collected and published. Prior to that event, hadith was khabare ahad: a report transmitted by one or a few individuals. Therefore, one shouldn't be confused by the mere mention of the involvement of crowd. The two hundred years from the time of the prophet onwards is critical. Whatever religious practices were followed by the crowd in that period were a part of the religious message of Islam. Whatever else was available could only be an explanation of it.

It is not correct to say that hadith is a subset of Sunnah. It is the other way round in fact. Hadith mentions lots of information about the prophet, alaihissalaam, and his times, while Sunnah is only his religious practice which was given to everyone to follow.

The only book of hadith that appeared in the second century Hijrah, Mauta Imam Malik, mentions hadith as a distinct source from Sunnah and Imam Malik expresses his clear preference for Sunnah compared to hadith.

http://www.khalidzaheer.com/qa/985

Question:

How would a layman person like me distinguish between the actual Sunnah and non-Sunnah practices? What criteria would one use?

Response:

Let's take a few examples: Salat, Hajj, circumcision (khatna), beard, amamah, and miswak (washing teeth with a tree's branch).

While the first three practices are very much religious in nature and are followed by Muslims all over the world, the rest of the three are followed by a few Muslims claiming them to be religiously desirable or binding, but they don't have universal acceptance amongst Muslims the world over. The first three practices are Sunnah (even though circumcision does not find a mention in the Qur'an) while the last three are hadith-based practices.

The testing questions for hadith-based practices to qualify as Sunnah are these: I) Is the practice religious in nature? 2) Was it given by the prophet to all Muslims in a way that it started getting practised from day-one and has continued to date?

The answer is yes for the first three practices. Beard and amamah are regarded as Sunnah by some religious people based on a few mentions in hadith but not all practising Muslims the world over follow them. Many scholars in Egypt and elsewhere in the Arab world are beard-less and very few people put on amamah. Miswak is used by many religious people for cleaning teeth but a large number of them use other methods for cleaning them.

We do not find such variations amongst Muslims in the case of funeral prayers, burying the dead, Eid and Jumu'ah prayers etc. As we find in the case of beard, amamah, and Miswak.

In other words, there were practices which started right from the beginning and which are still unanimously followed by Muslims. And there are those which are hadith-based but aren't widespread. That's what distinguishes a Sunnah practice from a non-Sunnah one.

Interestingly, there is a widespread practice which hadith helps us in knowing that it wasn't introduced by the prophet as Sunnah but was simply allowed by him: Taravih in Ramzan after Isha. Although it is happening everywhere now, it wasn't so during the times of the companions.

I must also clarify that if a certain practice doesn't qualify as a Sunnah, it doesn't mean that it cannot be followed at all. People can wear beards and amamahs. But they should not claim that it is a practice given by the prophet to be followed by all, either as a binding requirement or as something religiously desirable.

A bid'ah is a condemned religious practice which has no religious basis even in hadith and yet some Muslims have introduced it as Sunnah. It is condemned because a false, misleading claim is made that it is a religious practice even though it wasn't introduced by the prophet, alaihissalaam.

http://www.khalidzaheer.com/qa/989

Question:

"While the first three practices are very much religious in nature and are followed by Muslims all over the world, the rest of the three are followed by a few Muslims claiming them to be religiously desirable or binding, but they don't have universal acceptance amongst Muslims the world over."

I brought it up in discussions with one of Mufti Sahib's students. The person raised following point regarding the difference between "following the practices" and "knowing that practices are part of Islam and not following them".

In order to find out universal acceptance of these practices we should do a survey on scholars and not on followers, since most of the times a layman does not give importance to the religious practices. For example 8 out of 10 people may not keep beard but 6 out of these 8 might say that beard is part of Islam even though they do not keep one.

According to this person 80% to 90% Muslims in the world would say that keeping a beard is a part of Islam and so is true in the case of Moeez.

How can one do a survey on what is the consensus of the most of the scholars on these two practices as part of Islam?

If let's say it turned out that 90% of the scholars believe that these practices are part of Islam, would that fall under the definition of "Sunnah" that has reached us through the crowd.

If you have some time please share your thoughts in this regards.

Response:

If I have to make judgement about whether a certain practice is a Sunnah or not I will decide it on the basis of two criteria: I) Was the practice in question religious in nature and 2) Was it followed by all Muslims of the first generation of Muslims (and therefore the next three or four) as a religious practise. The opinion of the majority of scholars of today would not matter in this regard because their opinion could have been converted when hadith of the third century Hajrah became famous.

I mentioned in my previous reply that while prayers passed both tests, beard and Miswak, even though regularly practised by the prophet, didn't become a universal religious practice like salat did. It did not become universal because it wasn't religious in nature (second criterion), not because it wasn't practised by Muslims in a majority all throughout the last fourteen hundred years.

A religious practice should be followed by all practising Muslims, not some or many, in all parts of the Muslim world in order for it to qualify as Sunnah. If you go to some remote Muslim town or village of Africa, you will find salat, fasting, burial, Eid etc. getting practised. You may not find men keeping beard and people doing Miswak. It is because, as I mentioned earlier, one category of practices was preserved by God as He did in the case of Qur'an, while the other was not preserved by Him.

You can find a similar example in the case of the Qur'an. Although the Qur'an is one book, fully preserved from God, the majority of Muslim scholars today believes that there were several versions of it. Ask Mufti Sb or his student. This strange understanding is based on hadith. It is attempted to be explained through equally strange arguments. Does the fact that the majority of scholars today believe that the Qur'an has several versions (several ways of reciting it) mean that the claim is really true? The fact is that there is only one Qur'an from God which is recited in exactly the same way. All other claims of versions are not the Qur'an.

In other words, if Mufti Sb's student agrees that a minority of scholars disagrees with the claim that beard and Moeez are Sunnah, that in itself is a proof of the reality that they are not. In case of Sunnah it is not majority but unanimity that counts. All companions did it, likewise all religious Muslims of later times did it.

مندرجہ بالا سوالات اور خالد ظہیر کی طرف سے دیے گئے ان کے جوابات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ اس شخص کا تعلق اس فتنہ انکارِ حدیث سے ہے جو برصغیر پاک و ہند میں قریباً ایک ڈیڑھ صدی قبل پیدا ہوا۔ اس کو چکڑالوی اور پرویزی فتنے کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اگرچہ آغاز ہی سے علمائے کرام نے اس خبیث فتنے کا تعاقب کر کے اس کا سدِّ باب کر دیا تھا اور یہ تقریباً ناپید ہو چکا تھا، لیکن موجودہ دور میں جاوید غامدی اور خالد ظہیر جیسے لوگوں نے ایک مرتبہ پھر اسے زندہ کرنے کا علم اٹھایا ہے، اگرچہ ان لوگوں نے اس مرتبہ ایک نیا پینترا بدلا ہے اور محض اہلِ قرآن کہلانے اور حدیث کا مطلقاً انکار کرنے کی بجائے اب ایک نیا طریقہ اپنایا ہے اور قرآن کے ساتھ سنت کا اضافہ کیا ہے اور اس طرح منافقانہ طریقے سے حدیث کو غیر اہم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حدیثِ رسول ﷺ کے خلاف ان کے پاس کوئی نئی دلیل نہیں، بلکہ وہی لغو اور بھونڈی باتیں جو ان سے پہلوں (عبداللہ چکڑالوی اور غلام احمد پرویز وغیرہ) نے اپنے ان روحانی آباؤ اجداد سے مستعار لی تھیں جنہیں مستشرقین کہتے ہیں۔ یہ وہ یہودی و نصرانی محققین ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام پر تحقیق میں گزاریں اور قرآن و حدیث کا مطالعہ کر کے اپنی فاسد تاویلات کے ذریعے ہمیشہ دینِ اسلام پر کیچڑ اچھالتے رہے اور نبی کریم ﷺ کی مقدس ذات پر ناپاک حملے کرتے رہے۔ ان لوگوں کی کتابیں ایسی مغلظات سے بھری پڑی ہیں۔ ان لوگوں کا ایک پسندیدہ عنوان حدیث رسول ﷺ کی مخالفت بھی ہے، اور منکرینِ حدیث کے دلائل کا جائزہ لیا جائے تو کوئی ایسی دلیل نہیں ملے گی جو کسی نہ کسی مستشرق نے اس سے پہلے بیان نہ کی ہو۔ الغرض اس فتنہ انکارِ حدیث کی اصل یہود و نصاریٰ کی وہی تحریریں ہیں جو انہوں نے اسلام پر تحقیق کے نام

پر کی ہیں، حالانکہ درحقیقت یہ تمام تحریریں ان کی اسلام دشمنی کا کھلا ثبوت ہیں۔ اس تمام تفصیل کے بعد بھی کیا کسی کے ذہن میں یہ شک باقی رہ سکتا ہے کہ خالد ظہیر جیسے لوگوں کی بات مذہبی معاملات میں بالکل غیر معتبر ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کی بات سننا یا اس کو قابل غور سمجھنا انتہائی خطرناک ہوسکتا ہے، کیونکہ عوام اپنی قلتِ علم کی وجہ سے ان کی چرب زبانی کا شکار ہو سکتے ہیں، لہذا ان لوگوں کو سننے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کہ کہیں اپنے باطل نظریات کا کوئی اثر دماغ پر نہ چھوڑ جائیں جو کسی بد مذہبی یا عقیدے کی کمزوری کا موجب بن جائے۔

یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ اس تحریر کا مقصد خالد ظہیر کی خرافات کا ردّ کرنا نہیں، بلکہ مقصود صرف اس کی حقیقت کو آشکار کرنا ہے۔ جہاں تک اس کی تحریر کی لغویت کا تعلق ہے تو اس فتنہ کے رد میں بہت سا علمی مواد پہلے سے موجود ہے جس میں ان لوگوں کے تمام تر اعتراضات کے مدلّل جوابات دیے جا چکے ہیں۔

اگر کسی کو اس سلسلہ میں مطالعہ کی حاجت ہو تو جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ کی سنتِ خیر الانام نہایت مفید کتاب ہے، جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع تحریر ہے اور عوام وخواص دونوں کے لیے یکساں مفید ہے۔

خالد ظہیر کے تعارف کے بعد ذرا ملاحظہ کیجئے کہ یہ شخص کس قسم کے خیالات کا مالک ہے۔ ذیل میں اس کی ویب سائٹ سے ایک اور مضمون نقل کیا جا رہا ہے جو اس کے خبث باطن کی عکاسی کرتا ہے۔ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیا کوئی مدعی اسلام اس حد تک جا سکتا ہے اور اس قسم کی سوچ کا مالک بھی ہوسکتا ہے؟ غور سے پڑھیے:

http://www.khalidzaheer.com/essays/kzaheer/criticism/the_salman_rushdie_case.html

The Salman Rushdie Case: An Islamic View

by Dr. Khalid Zaheer

Posted: July 2007

The recent decision of the British government to confer knighthood on Salman Rushdie, the controversial writer of the book "Satanic Verses", has raised a new wave of protests amongst Muslims. Most protesters are asking for his head and claiming that such is the punishment for all people who are guilty of blaspheming against the prophet of Islam, God's mercy be on him. Since I believe that the demand is un-Islamic, I am giving my arguments to prove my point of view.

The demand for Salman Rushdie's head is based on two arguments: After having written his book, he has become guilty of apostasy (irtidad) the punishment for which in Islam, according to the argument, is death. Therefore Salman Rushdie must die. The other argument is that since the punishment of any person, whether Muslim or non-Muslim, who blasphemes against the prophet of Islam is death and Salman Rushdie has clearly done so, he must get killed. Are these two claims correct? There are some other issues that are associated with the above two: Even if it was granted for the sake of discussion that Salman Rushdie deserved death according to the Islamic law, can Muslims be incited to kill him even when he was living under the protection of the law of another country? And if Britain was not operating under the Islamic law, could Muslims still go after his life in the British territory according to that law, which Britain is not governed by? Could he be punished without him going through a proper trial in which he was allowed to defend himself? Before I touch upon this subject and give my understanding on the two arguments mentioned above, I would like to emphasize two important issues Muslims must not ignore in this debate.

What Rushdie has written is indeed condemnable. However, he is not the only one belonging to that category. There are many other authors who were guilty of the same offence, some of who have committed it at even more serious levels. In fact, Rushdie has not even come anywhere close to what some of the other modern writers have written against Islam and the prophet of Islam. Should all of them -- all thousands (if not hundreds and thousands) of them -- be declared equally guilty of a crime punishable by immediate, extra-judicial death no matter wherever they were living? If that was the correct Islamic position regarding such people, we Muslims then must arrange for millions of people to

operate all over the globe in the form of death squads to take care of the requirements of the 'Islamic law' that stipulates immediate killing for all blasphemers. Moreover, Rushdie has mentioned hardly anything in his infamous book on his own: He borrowed most of his material from the Muslim sources of the earlier times. If "Satanic Verses" was condemnable, which indeed it is, so were all other Muslim sources that enabled the author of it to borrow material from for his book. If we were fair-minded humans, we must first demand that all such malicious material should be expunged from the books that caused to be the sources of Rushdie's information. To demand Rushdie's head for a crime for which some earlier Muslims were even more responsible and to absolve those earlier ones from any charges would tantamount to practicing double standards.

That brings me to the other important consideration associated with this kill-Rushdie sentiment: Should Muslims be quite as emotionally charged in such a situation as to demand death under all circumstances for a person who has blasphemed against their prophet without finding out what the fair treatment for such a person under Islamic law was? Qur'an, the book of God brought by the prophet whose honour we are seeking to protect by killing Rushdie, clearly requires Muslims to be fair in dealing with everyone including their enemies. In one of the passages, the Qur'an urges the believers to be fair under all circumstances thus: "Believers, be steadfast for the sake of Allah in pursuing justice and let not the enmity of a nation dissuade you from being fair; be fair, that is the closest to piety. And fear Allah; indeed Allah knows what you do" (Qur'an; 5:8)

It is therefore extremely important that we consider the arguments presented in support of capital punishment for Rushdie very carefully and decide objectively whether he deserved to be killed or not. It is not just that the life of an individual is at stake: The very reputation of our faith and the sincerity of our attachment to it are also under strict scrutiny.

Let's look at the first of the two arguments: Salman Rushdie is a murtad (apostate) and the punishment for a murtad is death in Islam. Are the two claims correct? As for the first one, the fact of the matter is that a person becomes a Muslim by choice only after he had freely agreed to adopt Islam as his faith. This could only be true for people who converted to Islam or those who after having been Muslim by birth decided that they were Muslim by choice as well. As for those who were 'born Muslims', they do not always turn out to be freely converted Muslims. Therefore, if someone became a non-Muslim after he was born a Muslim, he was not a murtad in the true sense of the word. It was just that he found by accident of birth that he was a Muslim and later decided that he didn't want to be one anymore.

The other question was: Is the punishment for a murtad death? My clear answer is that it isn't. One might ask as to why then were a vast majority of Muslims confidently advocating the law that whoever was guilty of the crime of apostasy in Islam must face capital punishment? My answer to this question is that Islam is derived from the Qur'an and Sunnah (the religious practice of the prophet), the two original sources of understanding of it, and not from what Muslims say. Even if a vast majority of Muslims were saying one thing and it was clearly shown by a single individual that the Qur'an and Sunnah were saying something different on the same issue, the verdict of that single individual would be held as truly Islamic: Islam resides not in the majority view of Muslims; it resides in the message of Qur'an and Sunnah.

The basis on which it is normally held that a murtad deserved capital punishment was a hadith (a statement attributed to the prophet) that said that "Kill those amongst them who turn their backs on Islam." It is significant to learn that even though the Qur'an mentioned the possibility of apostasy on several occasions, it never suggested death as a punishment for the one who committed it. See, for instance, Qur'an: 5:54. The hadith was indeed correct, but, like most

others, it needed a proper context to clarify its true meanings. The most authentic source of suggesting context to hadith was the Qur'an.

There were two significant concepts of the Qur'an that cannot be ignored while contextualizing the relevant hadith: The Qur'an is unambiguously clear that there could be only two valid reasons for even an Islamic state to get sanction to kill a person: It could kill someone whose crime of murder was established as also the one who was found guilty of causing mischief on earth. (Qur'an; 5:32) While the punishment for a murderer was simple death, the punishment for one committing any one of the crimes falling in the latter category was, in many cases, even more severe. (Qur'an; 5:33) The Qur'an declared that if a person was killed for reasons other than those two then the one who was guilty of killing that person had, as if, killed the entire mankind. (Qur'an; 5:32) Salman Rushdie has neither killed anyone nor was he guilty of creating mischief on earth. Blaspheming against the prophet, alaihissalaam, did not amount to creating mischief on earth because the latter crime has been described by the Almighty Himself in these words: "Those who fight against Allah and His messenger and create mischief on earth." (Qur'an; 5:33) These wordings could be applicable in the case of a crime in which the perpetrators of it were causing the life, property, or honour of the common people to be at the stake of their nefarious designs. Salman Rushdie was guilty of a crime which cannot be categorized as fasaad fi l'ard: causing mischief on earth.

The other important understanding of the Qur'an that contextualizes the hadith was the one that clarified that the only people who were liable to be killed other than for committing the two above-mentioned crimes were the ones who were killed by the Almighty Himself through His messengers and his companions. Of course, it is a crime that a mortal human kills another; however, for the Almighty to kill his creation is His prerogative which he carries out as a matter of daily routine. This killing of humans by God Almighty takes place through diseases (normally described as "natural deaths"), accidents, or natural hazards. According to the Qur'an, the phenomenon of killing of humans through natural calamities took place for a special reason on several occasions in the history of mankind to carry out a definite policy of the Almighty: When a group of people rejected His message sent through a messenger despite knowing full well that it was from God, such deniers were eventually killed. It was a recurring theme in the Qur'an that the nations of the messengers of God like Nuh, Hud, Saleh, Shu'aib, Lut, and Musa, alaihimussalaam, were all destroyed by Him because they committed the crime of rejecting the message brought by their respective messengers and turned their enemies. God mentioned His firm commitment that He has decided that He and His messengers would always prevail over the enemies. (See Qur'an; 58:21). Inevitably, such was to be the case with the nation that rejected the last of the prophets as well. The only difference was that since in the case of the last messenger many people turned believers in his message, the divine punishment which hitherto used to be inflicted normally through natural calamities was implemented through the swords of companions of the prophet. It was because of this reason that many rejecters of the message of Muhammad, alaihissalaam, were killed during his lifetime.

In other words, those who received a messenger's message directly had no choice but to believe in it or else they were to get punished in this very life, if they didn't deserve any relaxation, through death. Quite naturally, if a person had to face death in the first place, if he refused to believe in a message, he had to again face death if after believing he again disbelieved. However, such punishment had nothing to do with the apostates who never received the message from the messenger of God directly. Thus even if Salman Rushdie was an apostate, he didn't deserve to die according to the Islamic law.

Let's now take up the blasphemy argument: Was blasphemy a public offence in the Islamic law punishable by death? The answer again is clearly in the negative. There were at least three cases of blasphemy against the prophet and the message of Islam mentioned in the Qur'an. In none of them there was a suggestion that those who were guilty of the offence ought to be killed. If there was to be a punishment for blasphemy, clearly it was the Qur'an where it should have been mentioned, especially when the book mentioned the occurrence of that offence during the prophet's lifetime.

The passages in which cases of blasphemy have been mentioned are found in the in the Qur'an in the following verses: 2:104; 5:57-58; 63:7-8.

In the first passage, the Qur'an informs us that there were some Jews-inspired hypocrites who used to come to the prophet's gatherings with the motive to tease him in a way that their cheap, sinful desires could be satisfied on the one hand and yet their offence should go unnoticed on the other. For that purpose they used to address the prophet by saying ra'ina (please say it again) in a way that they would twist their tongue to prolong the letter 'i' so as to give a sound of a word that would mean "our shepherd". Instead of condemning the perpetrators of this crime to any punishment, however, the Qur'an said this to believers: "Believers, don't say ra'ina, instead say unzurna and listen carefully (so that you don't need to ask the prophet to repeat his statements)". (Qur'an; 2:104) The word unzurna, like ra'ina, served the same purpose.

The second passage that mentions an insulting attitude of the disbelievers is this: "Believers, don't make such individuals from amongst the people of the book and the disbelievers (of Makkah) your friends who tease and make fun of your religion. And fear Allah if you are true believers. When you are called for prayers, they make it (that call) an object of ridicule. This they do because they are a group of people who don't know (the truth)." (Qur'an; 57-58). Had the intent of the divine law been to kill those who made fun of religion, this was the best occasion to make it unambiguously clear. However, instead, believers were only asked to not make such foolish people their friends.

The third passage relevant to the topic appears in the sixty-third chapter of Qur'an titled "Hypocrites". The chapter talks about the nefarious designs of the leader of the hypocrites and his followers, who, in one of the expeditions of Muslims to outside Madinah, insulted the prophet and his companions in the following words: "They say when we shall return to Madinah the honorable shall expel from there the mean, even though honour is for Allah and His messenger, and believers, but these hypocrites are unaware." (63:7-8) Indeed what Abdullah Ibn Ubay, the leader of the hypocrites, and his followers said was clear blasphemy. However, the tolerant message of God didn't demand their head. Instead, the Almighty only clarified what the truth was in response to the blasphemy the hypocrites had uttered. Abdullah Ibn Ubay later died a natural death in Madinah. Despite the fact that he wasn't living in a foreign land but in the very city of which the prophet was the ruler, he didn't face death in retribution for the clear act of blasphemy he and his companions were guilty of committing. The question that should naturally arise is that if the Qur'an was so clearly not requiring any punishment for blasphemy, why are Muslims demanding that those guilty of this offence should face death? The answer to this question is that there were indeed some disbelievers who were killed for being guilty of blaspheming against the prophet during his lifetime. Those who are demanding the head of Salman Rushdie and other blasphemers believe in the light of those incidents that such was the punishment for all blasphemers.

The fact of the matter is that, as we have clarified above, there is no punishment for blasphemy in Islam, yet those people who received the message of the messengers directly, as clarified above, were destined to be killed, one way or the other, after a certain God-ordained deadline was reached. That deadline had already reached for the disbelievers of

Makkah, thirteen years after the prophetic mission had started, at the time when the prophet and his companions were forced to migrate from the city to Madinah. However, God delayed the time for inflicting the punishment in accordance with the considerations of His wisdom and mercy. The first phase of that punishment took care of the entire leadership of Quraish, the clan that ruled Makkah, two years after the migration in the Battle of Badr. That process continued for different people at different occasions. When the people of the book, the Jews and the Christians, criminally denied the prophet's message, they too became eligible for the divine punishment. However, in their case the punishment was relaxed to not necessitate death for them. Instead they were forced to live the life of second-rate citizens in the Muslim society on paying Jizya, the non-Muslim tax.(Qur'an; 9:29) However, because those Jews and Christians who had denied the prophet's message were guilty of an unpardonable crime, the more blatant criminals amongst them, those who didn't just deny the messenger of God's message but went on to insult, tease, and threaten his life, they were considered worthy of being killed like their counterpart polytheist disbelievers of Makkah.

Let's take up another issue: If Salman Rushdie was found guilty of blasphemy in a Muslim country, could he be killed without him getting the benefit of going through a trial? The fact is that killing him without a trial would be un-Islamic. One might ask as to why then some people were killed during the prophet's lifetime without them getting the privilege of going through a legal trial. The answer to this question is that Ka'b Bin Ashraf and others who were killed during the time of the prophet were not killed by the common Islamic law; as clarified above, they were killed by God through his own law. Instead of using natural calamities, as was done to annihilate the nations guilty of rejecting messages of the earlier messengers, He used 'His swords' in the case of the nation that received the last messenger. The very fact that Ka'b and others didn't go through a trial before they were punished, as was the normal rule of Islamic law, was in itself a proof that he didn't receive punishment under the common Islamic law.

If we assume that the punishment for blasphemy was death in Islam, and if Salman Rushdie was living in a non-Muslim country, as he is now, could he still be killed if Muslims found him guilty of insulting their prophet? The fact of the matter is that such a demand was both dangerous and anti-Islamic. It was dangerous because if accepted it would endorse the principle that anyone could kill another person if he felt that the other person was guilty of insulting his religious sentiments. It is anti-Islamic because by so demanding the head of Rushdie, Muslims are creating an impression in the minds of people that Islam was a barbaric religion. The Muslim demand for Rushdie's head by hook or by crook is a far cry from the approach of the prophet of peace (Islam) who was known to have visited the home of an old lady to enquire after her health when he didn't see her doing her daily routine of laying thorny bushes on his way; the noble prophet got worried for her and visited her home. The Muslim demand has turned the impression of the message of Islam in the very opposite direction of what the prophet of Islam had brought. The Qur'an says: "Listen, good behaviour can't be the same as the bad one. So repel (bad behaviour) with an attitude that is good, and what you will find is that, as a result, the one with whom you had enmity has become your bosom friend. And this (behaviour) can't emerge from anyone except those who are patient; and this (behaviour) can't emerge from anyone except those who are most fortunate. And if Satan whispers into your heart (something to dissuade from it) then seek refuge in God; indeed He is All-Hearing, All-Knowing." (Qur'an; 41:34-36).

خالد ظہیر کے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد ہر انصاف پسند یہ جان لے گا کہ ملعون رشدی کی وکالت کر کے اس شخص نے اپنے خبثِ باطن کا صراحتاً اظہار کیا ہے جس کے بعد اس کی بے دینی ثابت کرنے کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ سلمان رشدی کی شیطانی آیات نامی بدنامِ زمانہ کتاب کے حق میں دلائل دینے میں یقیناً خالد ظہیر نے شیطان ہی سے معاونت حاصل کی ہوگی۔ بہر حال یہ سب لکھ کر اس نے

بہت سے لوگوں کے لیے فیصلہ کرنا آسان کر دیا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ اس تحریر میں خالد ظہیر کا ردّ لکھنے کا التزام نہیں کیا گیا بلکہ مقصد صرف اس کی اصلیت کو بے نقاب کرنا ہے، لہذا اس کے مضمون میں موجود صرف چند اہم باتوں کی نشاندہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خالد ظہیر ملعون رشدی کے حق میں ایک دلیل یہ دیتا ہے کہ جو کچھ اس نے لکھا، وہ اس میں منفرد نہیں بلکہ بہت سے دوسرے مصنفین اس سلسلے میں اس سے بہت بڑھے ہوئے ہیں، تو کیا ان تمام ہزاروں لوگوں کو اس جرم کا مجرم مانا جائے اور واجب القتل قرار دیا جائے؟ گویا خالد ظہیر کے نزدیک اگر ایک شخص گستاخی کرے تو اسے گستاخ قرار دیا جائے گا اور اگر ایسا کرنے والے لاکھوں، یا کم از کم ہزاروں ہی ہوں تو وہ گستاخ قرار نہیں دیے جائیں گے۔ یہ ہے اس کا گستاخ کو گستاخ قرار دینے کا معیار۔

مزید لکھتا ہے کہ سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، بلکہ یہ سب کچھ اس نے قدیم اسلامی مواد سے اخذ کیا۔ گویا مسلمانوں کا علمی سرمایہ (نعوذ باللہ) گستاخانہ مواد پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، مستشرقین اپنی نام نہاد تحقیقات کا ماخذ قرآن وحدیث کو قرار دیتے ہیں، تو کیا ان کا یہ دعویٰ قابلِ قبول ہے کہ ان کی گستاخانہ جسارتیں اور اسلام پر ناپاک حملے قرآن وحدیث کی روشنی میں درست ہیں اور جو کچھ وہ لوگ اپنی تحریروں میں بیان کرتے ہیں، قرآن وحدیث میں بھی بعینہ وہی کچھ بیان ہوا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اُن لوگوں نے اسلام پر قدغن لگانے کے لیے قرآن وحدیث اور اسلاف کی تحریروں کا سہارا لیا اور اپنی ناپاک تاویلات اور تحریفات کے ذریعے کچھ کا کچھ کر دیا اور الزام اسلام پر دھرا، اسی طرح ملعون رشدی نے ان کا طریقہ اپناتے ہوئے اسلام پر ناپاک حملے کیے اور اس کا وکیل خالد ظہیر اس کا ذمہ دار مسلمان مصنفین کو ٹھہرا رہا ہے۔

ایک جگہ ارتداد کے بارے میں اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص پیدائشی مسلمان ہو اور سمجھے کہ وہ مسلمان محض حادثاتی طور پر ہے جبکہ اصل میں اسے مسلمان نہیں ہونا چاہیے، پھر وہ اپنا مذہب چھوڑ دے تو وہ صحیح معنیٰ میں مرتد نہیں۔ کیا آج تک کسی نے ارتداد کی ایسی تعریف کی جو اس جدید محقق کے زرخیز ذہن میں آئی؟ یعنی مذہب نہ ہوا، لباس ہو گیا، چاہا تو پہنے رکھا اور پسند نہ آیا تو اتار پھینکا۔

آگے چل کر مرتد کے لئے موت کی سزا کے غیر اسلامی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اب چونکہ مسلمانوں کا اس بارے میں اجماع ہے، اس کی مخالفت میں کہتا ہے کہ اگر مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت ایک بات کہہ رہی ہو اور ایک شخص یہ واضح طور پر ثابت کر دے کہ قرآن وسنت اس سلسلے میں کچھ اور کہتے ہیں، تو اس اکیلے شخص کی بات مانی جائے گی، مسلمانوں کی اکثریت کی نہیں۔ یعنی بقول اس کے پوری امت جو کچھ کہہ رہی ہے وہ قرآن وسنت میں نظر کئے بغیر محض اپنی رائے سے کہہ رہی ہے اور قرآن وسنت کا صحیح وجدان اگر ہوا تو پوری امت میں صرف ایک خالد ظہیر کو۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس بات کا خالد ظہیر کو خود بھی ادراک ہے کہ اس معاملے میں وہ اور اس جیسے چند بے دین ایک طرف ہیں اور پوری امت دوسری طرف۔

آگے چل کر لکھتا ہے کہ قرآن میں صرف دو قسم کے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ ایک وہ جو کسی کو قتل کریں، دوسرے وہ جو زمین میں فساد پھیلائیں، اور سلمان رشدی نے نہ تو کسی کو قتل کیا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا کوئی کام کیا ہے جو فساد فی الارض کے زمرے میں آئے۔ یعنی اس شخص کے نزدیک ملعون رشدی کے فعل سے زمین پر فتنہ پیدا نہیں ہوا۔ اس طرح تو یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ کچھ عرصہ قبل ڈنمارک وغیرہ میں جو نبی اکرم ﷺ کے توہین آمیز خاکے شائع کیے گئے، وہ بھی کسی فتنے کا باعث نہیں بنے، اور ایک خبیث عیسائی پادری نے قرآن پاک کو (معاذ اللہ) جلانے کی مہم چلانے کا اعلان کر کے بھی کوئی فتنہ پیدا نہیں کیا۔ اس خبیث ملعون رشدی کی ناپاک جسارت سے فتنہ پیدا ہوا یا نہیں، یہ تو ایک مسلمان کا دل ہی جانتا ہے، البتہ ایک بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ خالد ظہیر کا تعلق ملعون رشدی کے ساتھ کس نوعیت کا ہے اور نبی کریم ﷺ سے کس نوعیت کا۔

مزید آگے چل کر لکھتا ہے کہ اسلام میں گستاخِ رسول کی سزا قتل نہیں، اور یہ کہ قرآن میں کم از کم تین جگہوں پر نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کے ارتکاب کا ذکر ہوا ہے، لیکن کسی ایک جگہ بھی اس کا ارتکاب کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم قرآن نے نہیں دیا۔ اوپر ذکر کی گئی احادیث میں یہ بیان ہوا کہ دورِ نبوت میں بہت سے گستاخوں کو قتل کیا گیا، جو کہ اس کی قانونی حیثیت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، مگر ایک منکرِ حدیث کے لیے یہ دلیل ظاہر ہے قابلِ قبول نہیں، لیکن مسلمانوں کے لیے بہر حال یہ کافی ہے۔

مزید لکھتا ہے کہ اگر سلمان رشدی کسی اسلامی ریاست میں گستاخی کا مرتکب ہوتا تو کیا اس کو اپنے قانونی دفاع کا حق دیے بغیر قتل کر دیا جاتا۔ گویا خالد ظہیر کے نزدیک ایک گستاخ کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنی گستاخی کی صداقت کو ثابت کرے، جبکہ علمائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ صریح الفاظ میں گستاخی کرنے والے سے نہ کوئی تاویل مانگی جائے گی اور نہ اس سے کوئی وضاحت طلب کی جائے گی، بلکہ صریح گستاخی قطعاً گستاخی ہی شمار ہوگی (حتیٰ کہ اس کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی) اور اس کا مرتکب کافر و مرتد ہو جائے گا اور اس کی سزا قتل ہے۔ چونکہ ملعون رشدی صراحتاً گستاخی کا مرتکب ہوا ہے لہذا وہ قطعی کافر و مرتد اور واجب القتل ہے۔

آخر میں لکھتا ہے کہ اگر گستاخِ رسول کی سزا قتل مقرر کر دی جائے تو پھر کوئی بھی شخص کسی کو بھی قتل کر دے گا اور کہے گا کہ میرے نزدیک یہ گستاخ تھا، اور یہ انتہائی خطرناک بھی ہے اور غیر اسلامی بھی۔ خالد ظہیر کو شاید یہ معلوم نہیں کہ ایک اسلامی معاشرہ تہذیب اور نظم وضبط کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔ اس میں کسی کو گستاخ یا واجب القتل قرار دینا زید و بکر کا استحقاق نہیں، بلکہ یہ کام مفتیانِ کرام اور علمائے اسلام کا ہے۔ اور کسی شخص کو حدّاً یا تعزیراً قتل کرنا ریاست کا کام ہے نہ کہ عوام الناس کا۔ معاملہ تب خراب ہوتا ہے جب ریاست اپنی ذمہ داری کو درست طور پر ادا نہ کرے اور مجرموں کی پشت پناہی کرنے لگے۔ اور بالفرض اگر بعض افراد یا حلقے اپنی نفسانی خواہشات کے حصول کے لیے شرعی احکامات کا غلط سہارا لینے کی کوشش کریں تو ان لوگوں کی بیخ کنی کرنا ہوگی، محض اس بنا پر حکمِ شرع نہیں بدل جائے گا، بلکہ اس کی حیثیت اپنی جگہ مسلم رہے گی۔

اختتام

آخر میں التجاء ہے کہ ہر مسلمان اپنے دین وایمان کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کرے کہ اس معاملے میں حق کس طرف ہے۔کیا خالد ظہیر جیسے لوگ اس قابل ہیں کہ انہیں اپنا رہبر بنا کر اپنی دنیا اور آخرت کو برباد کیا جائے۔ذرا یومِ حساب کے اس منظر کا تصور کیجئے جب ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا، اس وقت کون سی ذات ہے جو کام آئے گی اور کس کا دامن ہوگا جسے تھام کر امن نصیب ہوگا۔حدیث پاک ملاحظہ کیجئے:

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع فرمائے گا،لوگ کہیں گے کہ کاش ہم اپنے رب کے حضور کسی کی شفاعت طلب کریں جو ہم کو اس جگہ سے راحت دلائے، پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے اور آپ میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو سجدہ کریں، آپ ہمارے رب کے حضور شفاعت کیجئے۔حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے میں تمہارا کام نہیں کرسکتا اور اپنی (اجتہادی) خطاء کو یاد کریں گے،تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے ساتھ بھیجا،لوگ ان کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے میں تمہارا کام نہیں کرسکتا اور اپنی (اجتہادی) خطاء یاد کریں گے،تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جن کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا تھا،لوگ ان کے پاس جائیں گے، وہ بھی کہیں گے میں تمہارا کام نہیں کرسکتا اور اپنی (اجتہادی) خطاء یاد کریں گے،تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوا،لوگ ان کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے میں تمہارا کام نہیں کرسکتا اور اپنی (اجتہادی) خطاء کو یاد کریں گے،تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ان کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے میں تمہارا کام نہیں کرسکتا،تم (حضرت) محمد ﷺ کے پاس جاؤ، جن کی اگلی اور پچھلی سب (ظاہری یا اجتہادی) خطائیں معاف کردی گئی ہیں، پھر لوگ میرے پاس آئیں گے، میں اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کروں گا، میں سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھاؤ، مانگو تم کو دیا جائے گا، کہو تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو قبول کی جائے گی، پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا، پھر میں اپنے رب کی ان کلمات کے ساتھ حمد کروں گا جو وہ مجھے تعلیم دے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، پھر میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، میں اس حد کے مطابق لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا، پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا، پھر تیسری یا چوتھی بار فرمایا، حتیٰ کہ جہنم میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کا جہنم سے نکلنا از روئے قرآن منع ہے، یعنی جن لوگوں کے لیے جہنم میں خلود ہے، (یعنی کفار)۔(صحیح بخاری)

وہ شفیع معظم ﷺ جن کی شفاعت اور جن کے سجدوں کے تصدق سے امت کو نجات نصیب ہوگی، کیا ان کا حق ہم پر یہی ہے کہ ان کی بارگاہ کے گستاخوں اور ان کے وکیلوں سے کوئی تعلق جوڑا جائے یا ان کے بارے میں دل میں کسی قسم کا کوئی نرم گوشہ رکھا جائے۔حق تو یہ ہے کہ ایسے تمام عناصر جو مسلمان کے دل میں عظمتِ مصطفی ﷺ میں کسی قسم کی کمی کرنے کی کوشش کریں، چاہے وہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں، ہمیں ان سب سے اپنی برأت کا اظہار کرنا چاہیے اور اپنے ہر تعلق کی بنیاد اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی ذات کو بنانا چاہیے۔

آخر میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ عزجل کی بارگاہ میں التجاء ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی اور اپنے تمام انبیاءکرام علیہم السلام اور بالخصوص تمام انبیاء کے سردار حضور نبی تاجدار ﷺ کی محبت، ادب اور احترام نصیب فرمائے اور حضور ﷺ کی عطا کی ہوئی شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔اللہ تعالیٰ عزوجل ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ قائم رہنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور نئے نئے پیدا ہونے والے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔اللہ تعالیٰ عزوجل ہمیں دین کے لٹیروں کے شر سے محفوظ فرمائے اور ہر قسم کے بدمذہبوں، بے دینوں، ملحدوں، زندیقوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔آمین بجاہ النبی الامین۔